

دیسی ریاستوں میں خلافت ایجی ٹیشن
اور نان کواپریشن کے خلاف

مہاتما گاندھی کا فیصلہ

جس پر
مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی نے
ایک حاشیہ لکھا ہے

۲۴ شوال المکرم سنہ ۱۳۳۸ھ یوم دوشنبہ کو کارکن حلقہ المشائخ
دہلی نے

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپوا کر تقسیم کیا
باہتمام لالہ شہا کر داس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیسی ریاستوں میں خلافت ایجی ٹیشن اور نان کوآپریشن کے خلاف
مہاتما گاندھی کا فیصلہ

۹ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء کو مہاتما گاندھی کا ایک برقی فیصلہ بمبئی سے میرے نام آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ:-

"دیسی ریاستوں میں نان کوآپریشن (قطع تعلق۔ یا ترکِ موالات - یا عدم تعاون) ناممکن العمل ہے جبتک کہ خود ریاستوں کے باشندے اُس کی رہنمائی نہ کریں۔"

ضرورت ہے کہ اگست شروع ہونے سے پہلے جبکہ ہم نان کوآپریشن پر عمل کرنیکو میدان جدو جہد میں نکلنے والے ہیں مہاتما جی کے اس تازہ فیصلہ پر غور کیا جائے تاکہ ہمارے کام کی حدود مقرر ہو جائیں اور ہم اپنی قوتوں کو غیر مناسب مقامات میں خرچ کرنے سے محفوظ رہیں۔ اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے ہمکو خلافت ایجی ٹیشن کی گزشتہ تاریخ پر ایک نظر ڈالنی چاہیے۔

التوائے جنگ کے بعد جب ایسے آثار پیدا ہوئے جن سے مقامات مقدسہ اور ٹرکی کے اُن صوبوں کی نسبت جو لڑائی میں دوسری اقوام کے قبضے میں چلے گئے تھے یا جو خود ترکوں نے خاتمۂ جنگ کی شرائط کی تعمیل میں عارضی طور سے اپنے حریفوں کے سپرد کر دیے تھے، مسلمانوں کو خطرہ محسوس ہونے لگا کہ وہ گزشتہ وعدوں اور اعلانات کی موافق اسلامی اقتدار کے زیر اثر نہیں رہینگے تو سب سے پہلے بمبئی میں سیٹھ میاں محمد حاجی جان محمد چھوٹانی کی ہمت سے مسلمانوں نے خلافت کے نام کی ایک تحریک شروع کی اور ایک عام جلسہ میں ہر طبقہ کے مسلمانوں نے جمع ہو کر مقامات مقدسہ و دیگر علاقہ جات اسلامی کے تحفظ کے لیے صدائے احتجاج کا نعرہ لگایا۔ دہلی و لکھنؤ نے اس آواز کو پوری مستعدی سے سُنا اور تحریکِ خلافت کو کامیاب بنانے کے لیے ان شہروں میں جماعتیں قائم ہو گئیں جن میں بڑے بڑے نامی مسلمانوں نے حصہ لیا اس کے بعد خلافت کا ایک مرکزی جلسہ لکھنؤ میں ہوا جس میں تمام ہندوستانی صوبوں کے نمائندے

بکثرت شریک ہوئے اور میں نے دیکھا کہ اُس وقت بعض دیسی ریاستوں کے مسلمان بھی وہاں آئے تھے

لکھنؤ کے جلسہ کے بعد دہلی میں مہاتما گاندھی کی صدارت میں ایک نہایت عظیم الشان جلسہ ہوا، جو تاریخ میں یادگار رہیگا، اِس جلسہ نے ہندو مسلمانوں کو خلافت ایجی ٹیشن میں بہت زیادہ متحد کر دیا۔ دہلی کے جلسہ کے بعد ہر صوبہ ہر شہر ہر قصبہ یہاں تک کہ دیہات میں بھی یہ تحریک پھیل گئی اور ہر روز پُر جوش جلسوں کی جگہ جگہ سے خبریں آنے لگیں +

اِس کے بعد پھر بمبئی میں ایک مشترکہ اور عام ہندوستانی صوبوں کا قائم مقام جلسہ ہوا اور سندھ میں بھی دھوم دھام سے جلسے ہونے لگے۔

ہڑتال کی لہریں!

ان جلسوں کی شروعات میں ہڑتالوں کی لہر سارے ملک پر مسلط ہو گئی تھی، چنانچہ پہلی ہڑتال صلح کا جشن منانے کے خلاف عمل میں آئی اور اُس نے ثابت کر دیا کہ خلافت ایجی ٹیشن زبانی نہیں ہے بلکہ اس کے اندر بہت بڑی عملی طاقت موجود ہے، کیونکہ ہڑتال ایسی کامیاب ہوئی کہ ہندوستان کا کوئی شہر کوئی قصبہ اور کوئی گاؤں اس سے خالی نہ رہا اور جشن صلح منانیوالوں کو بڑی سخت ناکامی اظہار خوشی میں ہوئی، ناچ رنگ بند ہو گئے یا پھیکے رہ گئے جو جشن کی خوشی کے لیے جگہ جگہ مہیا کیے گئے تھے روشنیاں بے نور ہو گئیں۔ آتش بازی کی سیر کسی نے نہ دیکھی یہاں تک کہ گداگروں اور فقیروں نے صلح کی خیرات لینے سے انکار کر دیا +

اس عظیم الشان کامیابی میں جو پبلک کو گورنمنٹ کے خلاف حاصل ہوئی تھی تعجب خیز امر یہ تھا کہ کسی مقام پر فساد نہیں ہوا اور ہڑتال ہر جگہ امن سے گزر گئی +

اس ہڑتال کے بعد پھر ایک زبردست ہڑتال اسی خلافت ایجی ٹیشن کے سلسلے میں ہوئی جو پہلی ہڑتال کی طرح کامیاب اور عالمگیر تھی۔

دیسی ریاستوں کی مداخلت:۔ مگر اس ہڑتال میں ایک ناگوار کش مکش

یہ پیدا ہوئی کہ ریاست رام پور اور ریاست پٹیالہ نے اس میں مداخلت کی اور ہڑتال کرنیوالوں کے خلاف سختی کی کارروائیاں کی گئیں۔ چنانچہ پٹیالہ کی ریاست نے بھٹنڈہ وغیرہ مقامات پر ہڑتال کرنے والے ہندو مسلمانوں کو گرفتار کیا اور سُنا گیا تھا کہ ان کو پا بجولاں کر کے تشہیر کرایا گیا اور جیل میں رکھکر کچھ دن بعد رہائی دیدی گئی۔

ریاست رام پور نے اس سے بڑھکر کام کیا کہ ہڑتالی لیڈروں کو جو مسٹر محمد علی شوکت علی کے بھائی تھے گرفتار کر کے بیس بیس سال کی قید سخت میں ڈال دیا۔

حکومتِ حضورِ نظام میں آزادی

ایک طرف تو پٹیالہ اور رامپور میں یہ سختیاں ہو رہی تھیں، اور دوسری طرف اسی دن علاقہ حضور نظام میں عالمگیر ہڑتال نہایت کامیابی سے قائم تھی اور حضور نظام کی رعایا خواہ ہندو خواہ مسلمان مل جلکر بہت بڑے بڑے جلسے کر رہی تھی، جس میں بالکل بے خوف ہو کر آزادانہ تقریریں کیجاتی تھیں، اور مخالفین خلافت کی نسبت جی کھولکر نکتہ چینی ہو رہی تھی۔

اخباروں میں یہ خبریں پڑھکر ہندوستانی یعنی تمام ہندو مسلمان رام پور اور پٹیالہ کے خلاف اظہار غیظ و ملامت کرتے تھے، اور حضور نظام کی دلیری اور صداقت پسندی کا بچہ بچہ کی زبان پہ تذکرہ تھا، وہ زمانہ اس قدر جوش و خروش کا تھا کہ ہر ہندوستانی حضور نظام کے علاقہ کی آزادی کا حوالہ اپنی عام تقریر و تحریر میں دیتا تھا، اور نظام گورنمنٹ کے کاموں کو سند میں لایا جاتا تھا۔

انقلابِ حالات!

آخر صلح کی شرائط کا اعلان شائع ہوا، اور ہندوستان میں پھر ایک جنبش غصہ اور جوش کی پیدا ہوئی، اس وقت اور ریاستوں کا تو حال معلوم نہیں مگر حضور نظام کا ایک اعلان جاری کیا گیا کہ "ہم نے ہر طرح کوشش کی اور پوری طرح مسلمانوں کے مطالبات کو وزرائے انگلستان کے سامنے پیش کیا

کرکے اُن خطرات سے آگاہ کر دیا جو خلافت کے سوال میں پیش آنے ممکن تھے۔

غرض بحیثیت ایک مسلمان بادشاہ ہونے کے ہمنے اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی اور کمی نہیں کی مگر اب جبکہ شرائط شائع ہوگئی ہیں اور فیصلہ ہوچکا ہے تو پھر پہلا جیسا جوش وخروش پیدا کرنا اور جلسوں اور ہڑتالوں کو باقی رکھنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے اس واسطے ہماری قلمرو میں آئندہ بے اجازت خلافت کے لیے کوئی جلسہ نہ ہونے پائے"

اِسُ اعلانُ کا اثر

یہ اعلان (جس کا مفہوم یہاں لکھا گیا ہے، اصلی الفاظ ممکن ہے یہ نہوں کیونکہ اعلان اس وقت میرے سامنے موجود نہیں ہے) دیکھکر ملک میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے۔ معقول پسند لوگ کہتے تھے، حضور نظام نے نہایت مناسب اعلان شائع کیا ہے کیونکہ انھوں نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا، اور اب شرائط کے فیصلہ کے بعد رعایا کو اظہار غیظ وغضب سے روکنا اور قابو میں رکھنا عین قرین دانشمندی و مصلحت اندیشی تھا۔ مگر گرم جماعت اس اعلان سے کبیدہ خاطر نظر آتی تھی کہ اسی اثناء میں خبر آئی کہ بعض بیرونی آدمیوں نے حضور نظام کے سرکاری اعلان کی خلاف علاقہ نظام میں سرکشانہ طرز عمل اختیار کیا تھا اس واسطے بعد کامل تحقیقات وثبوت جرم اُن چند آدمیوں کو صرف نظربندی کی سزا دیدی گئی تاکہ شورش و سرکشی کا سدِ باب ہو جائے۔

غصہ کا آتشی سیلاب

ہندوستانی اخبارات میں اس خبر کے شائع ہوتے ہی غصہ کا ایک آتشی طوفان چاروں طرف پھیل گیا جبکو بعض اخبارات نے طرح طرح کے آتش گیر مسالے ڈالکر بھڑکانا شروع کیا۔ یہانتک کہ الہ آباد کے ایک مستند جلسہ میں جہاں ہندوستان بھر کے ہندو مسلمان لیڈر جمع تھے گورنمنٹ نظام کے خلاف رزولیوشن بھی پاس کیا گیا۔

اس وقت بعض لوگ دریافت کرتے تھے کہ ریاست رام پور نے تو بیس بیس سال قید سخت کی سزا دی تھی اس کے خلاف کوئی شخص ایک حرف زبان پر نہیں لاتا مگر نظام گورنمنٹ نے صرف چند آدمیونکو نظربند کیا ہے تو اتنے بڑے جلسے میں اسکے لیے رزولیوشن پاس کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کیا اس کی تہہ میں ذاتیات کی عداوتوں کو بھی کچھ دخل ہے ؟ مگر کوئی شخص معقول جواب نہ دیتا تھا اور یہ کہکر ٹال دیا جاتا تھا کہ فیض آباد کے جلسے میں رام پور کے لیے بھی رزولیوشن پاس ہو چکا ہے اب اُس کے ذکر کی کیا ضرورت ہے +

رامپور کی نسبت سوائے خبروں کے شائع ہونے یا چند خاص اخبارات کے چھوٹے چھوٹے نوٹ لکھنے کے یہ اودھم نہیں مچائی گئی تھی جو نظام گورنمنٹ کے خلاف پیش آئی کہ بعض اخباروں نے پوری پوری صفحے نظام گورنمنٹ اور اُس کے ممتاز ارکین کے خلاف سیاہ کر ڈالے اور بعضوں اس کا سلسلہ مسلسل جاری رکھا جو ابتک ختم نہیں ہوا ہے +

تین مشکلات کا سامنا

اس غل شور میں جسکے لیے باضابطہ مشورے کیے جاتے تھے اور ایک باقاعدہ نئے ایجی ٹیشن کی صورت بنائی گئی تھی دوراندیش لوگوں کو تین مشکلیں نظر آتی تھیں- ایک تو یہ کہ خلافت کے مسئلے سے ہر مسلمان کو دلی تعلق تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی ایسی جدوجہد کی مخالفت کرے جو خلافت کے مقدس نام سے قائم ہو' اسواسطے کوئی اخبار یا کوئی پبلک کام کرنیوالا اس شورش کے خلاف کچھ لکھنے یا کچھ بولنے کی جرأت نہ کرتا تھا، صرف اخبار رعیت اور اخبار البشیر نے اس غلط شوروغوغا کے خلاف اظہار خیالات کیا تھا- دوسری مشکل یہ تھی کہ خلقت کو دیسی ریاستوں اور برٹش گورنمنٹ کے باہمی تعلقات اور معاہدات کا علم نہ تھا' وہ نہیں جانتے تھے کہ جن ریاستوں نے خلافت ایجی ٹیشن کی مخالفت کی ہے وہ کسی ایسی پابندی کے باعث ہی جو برٹش معاہدہ نے اُسپر قائم کر رکھی ہو یا از خود اُسکے خیالات خلافت کے خلاف ہیں- معلومات اور واقفیت کا بھی کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے دیسی

ریاستوں کی مشکلات اور پابندیاں لوگوں کو جلد ہی معلوم ہو جاتیں اور وہ اخبارات کی شورش کے حق و ناحق ہونے پر کچھ غور کر سکتے۔ تیسری مشکل یہ تھی کہ عوام کے جوش اور بےعلم و ناواقف افراد کے غیظ و غضب کے زمانہ میں اُن اخبارات یا مضمون نگاروں یا مقرروں کے خلاف زبان کھولنا بیفائدہ معلوم ہوتا تھا جو دیسی ریاستوں خصوصاً گورنمنٹ نظام کے خلاف خلافت اور اسلام کا نام لیکر ناراضی اور بیزاری کا جوش پھیلا رہے تھے کیونکہ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کُلَّمَا رُدُّوْا اِلَی الْفِتْنَةِ اُرْکِسُوْا فِیْهَا (سورۂ نساء) (جہلا کو جب فتنہ فساد کیطرف متوجہ کیا جاتا تو وہ فوراً اُسمیں کود پڑتے ہیں)

عوام فتنہ فساد کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں اور صلح و آشتی کی بات اُن کی سمجھ میں نہیں آتی خواہ کیسی ہی اچھی دلیلوں سے اُن کو سمجھایا جائے۔ شورش پسند لوگوں اور اخباروں کا ایک فقرہ تمام عاقبت اندیشانہ نصائح کو ملیامیٹ کر سکتا تھا جب وہ یہ لکھدیتے یا کہدیتے کہ فلاں شخص انگریزوں سے سازش رکھتا ہے یا فلاں آدمی ریاستوں سے مالی طمع یا لالچ کا اُمیدوار ہے

اِن تین مشکلات کے سبب مُلک کے اصلی خیرخواہ خاموش بیٹھے رہے اور نظام گورنمنٹ کے خلاف طوفان بے تمیزی ترقی کرتا رہا۔ ورنہ ملک میں ایسے لاکھوں آدمی موجود تھے جو ان شورشوں کو مقاصد دین و ملت کے خلاف سمجھتے تھے، اور جانتے تھے کہ اخبارات ذاتی اغراض میں مبتلا ہیں اور جان بوجھکر ایک نقصان رساں رستہ کی طرف جا رہے ہیں ٭

دیسی ریاستوں میں نان کوآپریشن!

اس تاریخی تفصیل و تمہید کے بعد اب اصل مسئلہ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے کہ مہاتما گاندھی دیسی ریاستوں میں نان کوآپریشن یعنی قطع تعلق یا ترک موالات و تعاون کو کیوں ناممکن العمل قرار دیتے ہیں اور ان کا یہ ارشاد درست ہے یا نہیں؟ اِس مسئلہ کو سمجھنے کیلیے پہلے اس اُصول کو سمجھنا ہوگا کہ نان کوآپریشن (قطع تعلق) کس قوم کے ساتھ کرنا چاہیئے اور اس کی کیا ضرورت ہے؟ ٭

برٹش علاقہ میں جہاں انگریزی آئین جمہوری رائج ہیں نان کوآپریشن کا خیال مہاتما گاندھی کو پیدا

ہوا تھا، کیونکہ اس کے ذریعہ انگریزی قوم کی پبلک رائے پر یہ اثر ڈالنا مقصود تھا کہ ہندوستان کے وہ باشندے جو برٹش تاج کی رعایا ہیں گورنمنٹ انگلستان کی اس پالیسی کو ناراضی اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں، جو اس نے ٹرکی کے مقبوضات اسلامی اور مقامات مقدسہ کی حفاظت و تولیت کے بارے میں مسلمانوں کے خلاف جذبات اختیار کی ہے، جس وقت یہ معلوم ہو جائے گا کہ خلافت ایجی ٹیشن محض انگریزی قوم کو اپنے مطالبات سے آگاہ کرنے اور اس کے ذریعہ وزرائے انگلینڈ کی پالیسی پر اثر ڈالنے کے لیے ہے۔ اور اس کا عملدرآمد وہیں ہو سکتا ہے جہاں انگریزی حکومت بلا کسی درمیانی حجاب کے کھلم کھلا قائم ہو اور جہاں قوانین انگریزی کا رواج بغیر کسی دوسری مداخلت کے موجود ہو تو آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا کہ دیسی ریاستوں میں قطع تعلق کی تحریک بالکل بیفائدہ اور غیر ضروری ہے کیونکہ وہاں ہندوستانی لوگ حکومت کرتے ہیں۔ انہی کے قوانین اور رواج ان علاقوں میں جاری ہیں اور وہی ہر قسم کے نظم و نسق کے وہاں مالک و ذمہ دار ہیں۔ انگریزوں کا تعلق صرف سرپرستی اور نگرانی کا ہے۔ لہٰذا اگر ریاستوں میں قطع تعلق کیا جاتا تو کس سے کیا جاتا۔ نہ وہاں انگریزوں کے خطابات ہیں (سوائے چند خاص خاص لوگوں کے) نہ انگریزی اعزازی عہدے ہیں نہ انگریزی نوکریاں ہیں نہ انگریزی ٹیکس ہیں، اگر قطع تعلق کی تحریک کی تعمیل میں ریاستی خطابات واپس کیے جاتے یا وہاں کی عطیہ اعزازی خدمات ترک کی جاتیں یا مشاہرہ دار ملازمتوں کو بائیکاٹ کیا جاتا۔ یا ریاستوں کے متذکرہ ٹیکسوں اور محصولوں کی ادائیگی سے انکار ہوتا تو اس کا برٹش وزرار کی رائے پر کیا خاک اثر پڑتا اور اُن کا اس سے کیا ہرج واقع ہوتا جس سے انگریزوں کی پبلک رائے متاثر ہوتی ہے۔

سوائے اس کے کہ خود ہندوستانیوں کا ذاتی شیرازہ راحت (جو بہت حد تک ریاستوں کی امداد اور وابستگی پر منحصر ہے) پراگندہ ہو جاتا، اور وہ ترکوں کو فائدہ پہنچانے کی بجائے اور مقدس مقامات کی حفاظت کا مفاد حاصل کرنے کے عوض خود خانہ جنگی اور ایک اضطراب عظیم میں مبتلا ہو جاتے اور ان کی ریاستیں جو مشرقی روایات اور ہندوستانی رسم و رواج کا مرکز ہیں ٹوٹ

پھوٹکر برباد ہو جائیں۔ لہٰذا مہاتما گاندھی کا یہ فیصلہ کہ ریاستوں میں قطع تعلق کی تحریک ناممکن العمل ہے بالکل صحیح اور درست ہے، اور ہندوستانی مفاد کو پوری طرح مدنظر رکھکر یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔

باہر اور اندر کے حقوق!

ہم اس وقت اپنے باہر کے مذہبی و قومی حقوق کے لیے انگریزوں سے اُنہی کی بتائی ہوئی قانونی لڑائی لڑنی چاہتے ہیں، ہمارا ان سے مطالبہ ہے کہ وہ ٹرکی کے مقبوضات اور مقامات مقدسہ کی تولیت میں اسلامی رائے عامہ کا لحاظ کریں، اور ہماری دلی ناراضی کو غیر واقعی نہ سمجھیں اس واسطے ہم ان کے مقبوضہ علاقہ میں ان طریقوں کو برتنا چاہتے ہیں جن سے انگریزوں کو ہماری عام ناراضی کا علم ہو جائے اور وہ اپنے اُصول جمہوری کے قواعد کی رو سے مجبور ہوں جو اُن کو عام رائے کے اجماع کے سامنے سر نگوں ہو جانے کا حکم دیتے ہیں اور بادلِ خواستہ یا ناخواستہ ہمارے مطالبات پورے کر دیں۔ پس جس طرح ہم ہندوستان کے باہر کے حقوق کا خیال کر رہے ہیں اسی طرح ہم کو اپنے ملک کے اندرونی حقوق کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ دیسی ریاستوں میں ہمارے ملکی حقوق ہیں، جن کی حفاظت و محبت ہم سب پر خواہ ہم اُن ریاستوں میں آباد ہوں لازم اور واجب ہے کیونکہ وہ ہمارے ہی ملک میں ہیں اور ہمارے ہی ملک کے باشندے ان پر حکومت کرتے ہیں،

اگر خارجی حقوق کی نگرانی و حفاظت کے عمل میں ہم ایسا کوئی کام کریں جن سے ہمارے داخلی حقوق ضائع ہو جائیں یا اُن کے ضائع و تباہ ہونیکا اندیشہ ہو تو دُنیا میں کوئی شخص ہم کو عقلمند نہ کہیگا اور ہم بڑے ہی احمق تصور کیے جائینگے کہ اپنے اندر سے غفلت کرتے ہیں اور باہر کیلیے ہوشیار رہنا چاہتے ہیں

گزشتہ غلطیاں فراموش کردینی چاہئیں

ہم نے داخلی حقوق کے مسئلہ پر غور نہیں کیا، اور دیسی ریاستوں میں خلافت ایجی ٹیشن کو جاری کرنیکی کوشش میں آگے بڑھے یہ ہماری غلطی تھی اور ہمیں سمجھنا تھا کہ اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا

بلکہ ریاستوں کو نقصان پہنچ جائے گا۔

لیکن اب جبکہ ستیہ اوتار مہاتما گاندھی نے فیصلہ کر دیا ہے تو ریاستوں کو نان کو اپریشن کی جدوجہد سے علیحدہ رکھنا چاہیے اور گزشتہ غلطیوں پر اصرار اور ضد کی حرکات نہ کرنی چاہئیں، ورنہ خود ہمارے ہی پاؤں کو یہ کلہاڑی زخمی کر دیگی۔

گورنمنٹ نظام کی خصوصیت

ہم میں اکثر لوگ اس سے واقف ہیں کہ دیسی ریاستوں میں حضور نظام کی ریاست ایک مستقل سلطنت کا اثر رکھتی ہے اور اس کو تمام دیسی ریاستوں میں سب سے زیادہ امتیازی درجہ اختیارات کا اور وسعت ملک کا اور قدیمی شاہانہ روایات کا حاصل ہے، وہ ہندوستان کی ایک ایسی ریاست ہے جسکو مستقل سلطنت کہنا بالکل جائز ہے کیونکہ وہ فرانس وجرمنی وایران کے ملکوں کے برابر رقبہ رکھتی ہے اور اس کے حکمران انگریزوں کے ساتھ ایک طرح کی ہمسرانہ ومساویانہ حیثیت رکھتے ہیں اور دوسری ریاستوں کی طرح ان پر برطانیہ کا ایسا اقتدار نہیں ہے جس سے ماتحتی وزیردستی ظاہر ہوتی ہو۔

نظام گورنمنٹ مغل امپائر کا سیاسی وتمدنی وروایتی نمونہ اس سرزمین پر ہے۔ نظام گورنمنٹ نے اپنی ہستی کا وجود خود اپنے زور بازو سے قائم رکھا ہے اور وہ برٹش امداد کی زیر بار احسان نہیں ہے بلکہ خود برطانیہ کا ہندوستان میں جو کچھ اقتدار موجود ہے وہ نظام گورنمنٹ کی اعانت تیغ کا رہین منت ہے اور مرہٹہ گردی وانقلاب سلطان ٹیپو کی تاریخ اسکی شہادت دیتی ہے جبکہ نظام گورنمنٹ نے انگریزوں کو گرتے گرتے سنبھالا تھا۔

اس لحاظ سے ہندوستان اور اس کی اقوام کا فخر نظام گورنمنٹ کے ساتھ سب سے زیادہ وابستہ ہے اور اقوام ہند حقوق نظام کی حفاظت وہمدردی کے لیے قدرتاً مجبور ہیں، اور دیگر دیسی ریاستوں سے زیادہ ان کو نظام گورنمنٹ کے امن وامان وسلامتی وجود کی خود اپنے لیے ضرورت ہے۔

بیرونی عثمانی واندرونی عثمان ۔ پس ہم سب ہندو مسلمان جس طرح

بیرون ہندوستان کی قوم عثمانی یعنی ترکوں کے حقوق کو اپنا اسلامی حق سمجھکر اُن کے لیے جد و جہد کر رہے ہیں اسی طرح ہم کو اپنے اندرونی عثمان یعنی موجودہ بادشاہ دکن میر عثمان علی خاں کے حقوق کو اپنا اسلامی و ہندی حق سمجھکر اسکی نگہداشت و حفاظت کرنی چاہیے +

میں نے اس سے پہلے رسالۂ اختلاف میں لکھا ہے کہ ٹرکی، ایران، افغانستان کی طرح ہم کو گورنمنٹ نظام کے ساتھ بھی اسلامی اخوت کا برتاؤ رکھنا ضروری ہے۔ اسی کو میں یہاں دوہرانا چاہتا ہوں کہ جس طرح ہم ترکوں، ایرانیوں اور افغانوں کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں اور اُن کی ذاتی مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اُن کی امداد و شرکت تعاون کے طریقے تلاش کرتے ہیں اور اُن سے اگر کوئی غلطی ہو جائے یا جس کو ہم اُن کی غلطی سمجھتے ہوں تو اُن سے ناراض نہیں ہوتے اور چشم پوشی کرنی چاہتے ہیں اسی طرح ہم کو نظام گورنمنٹ کے ساتھ بھی عملدرآمد کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر ہم ایسا کرینگے تو یہ نظام پر احسان نہ ہوگا بلکہ ہم خود اپنی قومیت و اخوت کو مستحکم کرینگے اور اس سے دیگر اقوام کے سامنے خود ہماری ہستی مضبوط ہوگی اور خود ہمارا قومی اقتدار ترقی کریگا +

ترکوں، ایرانیوں، افغانوں سے ہمدردی کرکے ہم اُن پر احسان نہیں کرتے بلکہ اس ہمدردی کو اپنا فرض سمجھکر ادا کرتے ہیں ایسی ہی ہم کو نظام گورنمنٹ کے ساتھ ہمدردی کرکے بلا کسی خواہش ذاتی کے اپنا اسلامی و قومی فرض ادا کرنا چاہیے۔

اگر برار نظام کو مل جائے

تو وہ اُس کو روٹی کے نوالوں کی طرح خود چبا کر نوش نہیں کر جائیں گے بلکہ اُن کے موروثی ملک کا ایک حصہ جس پر اُن کا قدرتی حق موجود ہے واپس حاصل ہوگا اور اس سے اُن کے موجودہ ملک کی وسعت ترقی کرے گی اور اس ترقی سے خود ہم ہندوستانیوں کے اقتدار میں ترقی ہوگی کیونکہ اگر ترکوں کے ہاتھ سے گئے ہوئے ممالک اُن کے قبضہ میں دوبارہ آجائینگے تو ہم لوگوں

کو بھی ان میں سے کچھ حصہ مل جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ نہ پہلے ہمیں کچھ حصہ ملتا تھا، نہ اب ملیگا، مگر اس واپسی سے ہمارا اسلامی و قومی اقتدار بڑھ جائیگا اور یہی چیز دُنیا میں زندہ اقوام تلاش کیا کرتی ہیں +

پس جس طرح ترکوں کے گئے ہوئے علاقے واپس ملنے میں خود ہمارے اسلامی و قومی اقتدار کا فائدہ ہے اسی طرح نظام گورنمنٹ کو برار واپس ملنے سے ہمارے اسلامی و قومی اقتدار میں ترقی ہوگی +

مجھے حیرت ہے کہ گورنمنٹ نظام پر خلافت کے مسئلہ میں جو اخبارات نکتہ چینی کرتے ہیں اُس میں برار کی واپسی کا دلخراش طعنہ بھی دیا جاتا ہے کہ حضور نظام نے خلافت کی مجلسوں کو اس واسطے ممنوع قرار دیا ہے کہ وہ برار کی واپسی کے اُمیدوار ہیں۔

ان اخباروں کو سمجھنا چاہیے تھا کہ برار کی واپسی حضور نظام کا محض ذاتی معاملہ نہیں ہے بلکہ ہم کی اقتداری حیثیت، اس کی واپسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ حضور نظام تو بحیثیت ایک قومی امین کے ملک و قوم کی طرف سے اس کا مطالبہ کر رہے ہیں ورنہ برار اُن کے کھانے کا کباب اور پہننے کی ٹوپی اور سوار ہونے کی ذاتی موٹر نہیں ہے یا اُس کے واپس ہونے سے اُن کی کوئی ناموجود موٹر یا ٹوپی یا پلاؤ کی تاب واپس نہ آجائیگی۔ آج برار کے نہ ہونے کے زمانہ میں جو کچھ حضور نظام کھاتے پیتے پہنتے اور برتتے ہیں وہی اور اُتنا ہی برار واپس ملنے کے بعد بھی وہ کھائینگے پہنینگے اور برتینگے، کوئی فرق اُن کے ذاتی حالات اور اکل و شرب یا لباس میں واقع نہ ہوگا البتہ اُنکی اقتداری شان بڑھ جائیگی اور اقتدار وہی چیز ہے جس میں خود اُن کی رعایا اور دُنیا بھر کے مسلمان اور ہندوستان کی تمام اقوام غیر مسلم اُن کے شریک ہیں یعنی اس اضافۂ اقتدار سے تمام مسلمانوں اور کُل ہندوستانیوں کے اقتدار میں ترقی ہوگی +

جو لوگ حضور نظام کو برار کا طعنہ دیتے ہیں وہ خود اپنے اقتدار اور اپنے مفاد پر ناداستہ یا جان بوجھکر حملہ کرتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ جس قوت کے ہاتھ میں برار کی واپسی کا

اختیار رہے اس کو خوش کرنے یا اُس سے کچھ حاصل کرنے یا اُس کے مفاد اقتدار کو کسی معاوضہ کی خاطر مدد پہنچانے کے لیے سوچ سمجھ کر یہ قلم فرسائیاں ہو رہی ہیں تاکہ مسلم قوم نظام سے علیحدہ ہو جائے اور برار کی واپسی میں اپنی ہمدردی و دلچسپی کی اخلاقی امداد نظام کو نہ دے سکے۔

یہ ایک گہری مگر افسوسناک چالاکی ہے کہ سر علی امام پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ نظام کو مسلمانوں کی نظروں سے گرانے کے لیے خلافت کے خلاف اعلان شائع کرا رہے ہیں، حالانکہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شورش پسند اخبارات کا خود اپنا رویہ برابر برسراقتدار رکھنے والی طاقت کو خوش کرنے کے لیے تیار ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اور ریاستوں سے زیادہ نظام گورنمنٹ ہی کے خلاف شور مچایا جاتا ہے حالانکہ نظام گورنمنٹ سے پہلے اور بھی اسلامی ریاستوں نے خلافت کے جلسوں کو جیلخانوں اور طوق و سلاسل کے زور سے روکا تھا مگر ان کے خلاف کسی اخبار نے شورش نہ مچائی اس کے علاوہ یہ نکتہ بھی شبہ میں زیادتی پیدا کرتا ہے کہ بحث خلافت کی ہے مگر اس میں بار بار ہر اخبار برار کی واپسی کا ذکر کرتا ہے اور اس کی ہنسی اُڑاتا ہے اور یہ کھلی ہوئی علامت اس کی ہے کہ ان اخباروں کی یہ خواہش ہے کہ اگر مسلمان برار کے مسئلے میں ہماری ان تحریروں کے اثر سے نظام کی ہمدردی چھوڑ دینگے تو انگریزی گورنمنٹ ہم سے خوش ہو گی، اور ہماری دوسری پولٹیکل خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔ مگر انگریز کبھی ایسے بے ضمیر اور ناعاقبت اندیش اخبار نویسوں کا اثر قبول نہ کرینگے۔ وہ جانتے ہیں کہ کروڑوں مسلمانوں کو نظام گورنمنٹ سے تعلق ہے اور ان کی قلبی طاقتیں نظام کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور یہ شورش جو نظام کے خلاف ہو رہی ہے گنتی کے چند خودسر اسیران اغراض کی عارضی غرض ہے۔

قطع تعلق کی حدود

مہاتما گاندھی کے فیصلہ نے ظاہر کر دیا کہ قطع تعلق (نان کو اپریشن) کی حدود عمل صرف وہ علاقے ہیں جہاں برٹش قوانین بلا کسی دیسی شرکت کے جاری ہیں اور کسی دیسی ریاست میں

قطع تعلق کی تحریک اور خلافت ایجی ٹیشن کا برپا کرنا جائز نہیں ہے۔ خصوصاً نظام گورنمنٹ کے علاقوں میں کہیں بھی یہ جدوجہد نہ ہونی چاہیے کیونکہ وہ دیسی ریاستوں سے بھی زیادہ ایک مستقل اور علیحدہ حیثیت نان کوآپریشن کے خلاف رکھتی ہے۔

دیسی ریاستوں کے مقامی رہنما

مہاتما گاندھی کے تار میں جو بیان کیا گیا ہے کہ دیسی ریاستوں میں قطع تعلق کی تحریک مقامی رہنمائی کی تائید کے بغیر ناممکن العمل ہے اس کی نسبت بھی غور کرنا چاہیے کہ مقامی رہنمائی سے کیا مراد ہے؟ مقامی رہنمائی کا مطلب برٹش علاقہ میں یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ صوبہ یا شہر کے مقامی لیڈر عمل گزار خلقت کے رہنما ہوں اور لیڈر وہی ہوتے ہیں جن پر پبلک بھروسا کرتی ہو اور انکا کہنا مانتی ہو یا جنکا پورا دباؤ عوام پر ہوتا ہے اب یکھنا یہ ہے کہ دیسی ریاستوں میں سوائے والی ریاست کے کہیں بھی ایسا کوئی لیڈر پایا جاتا ہے جس کا پورا رسوخ اور دباؤ باشندگانِ ریاست پر ہو۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ کسی ریاست میں والی ریاست سے بڑھکر باشندگان پر کسی دوسرے کا رسوخ اور دباؤ نہیں ہوتا اور جبکہ والیِ ریاست اپنی حدود میں خلافت ایجی ٹیشن ہی کو جائز نہ رکھتا ہو تو وہ قطع تعلق کی رہنمائی کیونکر کرسکتا ہے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مہاتما جی نے مقامی رہنمائی کی قید قطع تعلق کے عدم امکان کے زور دار بنانے کے لیے بطور ایک حجت اور دلیل کے لگائی ہے تاکہ برٹش علاقہ کا ہر باشندہ دیسی ریاستوں میں تحریک قطع تعلق کو غیر ممکن محض سمجھ لے اور اس خیال سے دست بردار ہو جائے

آخری امید

مجکو برٹش علاقہ کے ہندو مسلمانوں سے یہ ہے کہ وہ مہاتما گاندھی کا برقی فیصلہ سننے کے بعد اب دیسی ریاستوں میں قطع تعلق کی تحریک جاری کرنے کا خیال چھوڑ دینگے اور اپنی

حدود کے اندر مستعدی سے کام کرینگے تاکہ طاقتوں کا انتشار نہ ہونے پائے اور اجتماعی نشان برقرار رہے ؞

دیسی ریاستوں اور نظام گورنمنٹ سے بھی مجکو یہ امید ہے کہ وہ ان گزشتہ واقعات کو فراموش کردیگی۔ جو اتفاقی اسباب سے پیش آئے اور اخبارات کے مباحثوں کا خواہ مخواہ تختۂ مشق بنے۔ نیز **اُن قیدیوں کو رہا کر دیا جائیگا** جو خلافت کے قضیہ میں اسیر کیے گئے ہیں تاکہ بیرونی مسلمان بھی اپنی ناراضی کو واپس لینے کی ایک بڑی وجہ حاصل کرسکیں۔

سب سے بڑی اور آخری اُمید مجکو حامیِ اسلام بادشاہِ دکن حضور نظام سے ہے کہ وہ بحیثیت یار وفادار دولت برطانیہ کے پھر ایک مرتبہ وزرائے انگلستان کو تحریر فرمائینگے کہ مقبوضات ٹرکی کی آزادی اور مقامات مقدسہ کی اسلامی ہاتوں میں بحالی مسلمانان روئے زمین کا ایک قومی اور دینی مطالبہ ہے میں ایک مسلمان بادشاہ کی حیثیت میں مکرر یاددہانی کرتا ہوں کہ ٹرکی شرائط صلح میں ترمیم کی جائے۔

مجکو سب سے اعلےٰ اُمید اپنے قدرت و جبروت والے آسمان و زمین کے اصلی مالک بادشاہوں کو عزت و سلطنت دینے والے **خدا** سے ہے کہ وہ بھی ہم غریب مسلمانوں کی خطائیں معاف فرماکر ہماری موجودہ مشکلات کو آسان کرے گا ۔ **آمین**

حجرۂ رین بسیرا
درگاہ حضرت محبوب الٰہی رضؓ
دھلی

حسن نظامی
۲۴ ؍ شوال ۱۳۳۸ھ

صوت الایمان پیشوائے اعظم اہل الحق و العرفان حضرت مولانا عبدالباری کا

تازہ فیصلہ

ذیل میں حضرت مولانا عبدالباری کے خاص متخطی مکتوب کی تصویر درج کی جاتی ہے جو انہوں نے مہاتما گاندھی کے فیصلہ کی تائید میں خواجہ حسن نظامی کے نام ارسال فرمایا ہے اور جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مولانا بھی دیسی ریاستوں و حکومت حضور نظام میں نان کوآپریشن کو ناممکن العمل قرار دیتے ہیں - یہ مولانا کی کسر نفسی ہے ورنہ مسلمانوں کی نظر میں ان کا درجہ مہاتما گاندھی سے بلحاظ دینی پیشوا ہونیکے کہیں زیادہ ہے۔

اگرچہ میرے پاس تمام ممتاز اور نامور لیڈران ہند کے تار اور خطوط اس مسئلہ کی نسبت آرہے ہیں مگر بالفعل صرف مہاتما گاندھی اور مولانا عبدالباری کا فیصلہ شائع کر دینا کافی ہے ضرورت ہوگی تو آئندہ باقی تازہ تحریریں بھی ایک علیحدہ رسالہ میں شائع کر دیجائیں گی۔ حسن نظامی۔

فرنگی محل لکھنؤ ۲۵ شوال ۳۹ھ

مکرم دام مجدہم

السلام علیکم - جناب کا تار وصول ہوا - فقیر نان کاپریشن کے مسئلہ میں
بالکل پس رو گاندھی جی کا ہے - کیونکہ اسمیں تو کاری واقف کار نہیں ہوں انکو
اپنا رہنما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں - میرا حال تو سر دست
اس شعر کے موافق ہے

عمری کہ بآیات و احادیث گذشت ☆ رفتی و نثار بت پرستی کردی

بوقت ہجرت حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک راہ نما لیا تھا
غیر مسلم مشرک تھا اسوقت میں نے بھی اوسے سنت نبویہ کی اتباع کی ہے
جب تک یہ راہ طے ہو اوسکے پیرو رہنا ہے فقط فقیر محمد عبدالباری عفا اللہ عنہ